International Research Journal of Arabic and Islamic Studies, Vol.:04, Issue: 01, Jan-Jun 2024
pp:415 - 426

OPEN ACCESS
IRJAIS
ISSN (Online): 2789-4010
ISSN (Print): 2789-4002
www. irjais.com

مروجہ نظامِ ٹیکس کا شرعی تناظر میں ایک جائزہ

An overview of the prevailing taxation system in Shariah perspective

Dr. Salman Ahmad Khan
Assistant professor, Islamic studies department,
The university of Lahore, Lahore
Dr. Shamsul Arifeen
Associate professor, Islamic studies department,
The university of Lahore, Lahore

Abstract

Taxation has always been a topic of debate. There have been both opinions in this regard. This article examines the extent to which tax collection is permissible in a Shariah and historical context. Discussion in this article shows that taxation is not primarily related to the economic system of Islam. There are both types of opinions regarding the legitimacy and illegitimacy of taxes, but in unavoidable situations, the opinions of legitimacy can be followed by considering the conditions of it. In the current tax system, this responsibility is especially for businessmen that they should pay legitimate taxes so that the burden of non-payment does not fall on the poor and middle class with fixed incomes. Governments should adopt a fair attitude towards taxation, in our country, the prevailing tax rates are too high compared to the facilities provided and the rates do not match (within the level of justification) the teachings of Sharia. Therefore, governments need to revise the prevailing tax policies. Luxury, greed, nepotism, intolerance for the public and lack of foresight are the main factors that induce the rulers to oppress the people, one of the major forms of which is the collection of oppressive taxes.

Keywords: Tax, Zakat, Islamic financial system, Sadaqah, Ushoor, Islamic jurisprudence

تعارف

ٹیکس کا موضوع ہمیشہ سے ایک مباحثے کا حصہ رہا ہے اور اس حوالے سے مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ اس مضمون میں موجودہ ٹیکس کے نظام کا شرعی اور تاریخی تناظر میں جائزہ لیا گیا ہے تاکہ یہ سمجھا جا سکے کہ ٹیکس کی وصولی کس حد تک شریعت میں

CC BY

جائز ہے۔ مضمون میں بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹیکس کا نظام بنیادی طور پر اسلامی اقتصادی نظام سے متعلق نہیں ہے۔ ٹیکس کی جائز اور ناجائز ہونے کے بارے میں دونوں طرح کی آراء موجود ہیں، لیکن ناگزیر حالات میں جائز ہونے کی آراء کو شرائط کے ساتھ اپنایا جاسکتا ہے۔ موجودہ ٹیکس کے نظام میں، یہ ذمہ داری خاص طور پر تاجروں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ جائز ٹیکس ادا کریں تاکہ غیر ادائیگی کا بوجھ غریب اور درمیانی طبقے پر نہ پڑے جن کی آمدنی محدود ہوتی ہے۔ حکومتوں کو ٹیکس کے معاملے میں منصفانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ ہمارے ملک میں موجودہ ٹیکس کی شرحیں فراہم کردہ سہولتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں اور یہ شرحیں شرعی تعلیمات کے مطابق نہیں ہیں۔ اس لئے حکومتوں کو موجودہ ٹیکس پالیسیوں پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ عیش و عشرت، لالچ، اقرباپروری، عوام کے لیے عدم برداشت اور دور اندیشی کی کمی وہ اہم عوامل ہیں جو حکمرانوں کو عوام پر ظلم کرنے پر مجبور کرتے ہیں، جس کی ایک بڑی شکل ظالمانہ ٹیکسوں کی وصولی ہے۔

شریعت اسلامیہ کا محاصل کے حوالے سے عمومی مزاج:

اگر قرآن کریم کی آیات مبارکہ میں غور کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلم حکمرانوں کو جہاں مسلمان رعایا سے زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کا پابند کیا گیا ہے وہاں کسی قسم کے ٹیکس کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ[1]

وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں کئی جگہ پر مسلمان رعایا کو خطاب کرکے نماز کے حکم کے ساتھ صرف زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ"[2]

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو

قرآن کریم کے ان احکامات کو سامنے رکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین نے مالی مشکلات کے حل کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ مسلمانوں کو کسی اور ٹیکس کا پابند نہیں بنایا۔

زکوٰۃ اور ٹیکس میں بنیادی فروق:

۱۔ زکوٰۃ ایک لازمی فریضہ ہے، اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے، جس کا انکار کفر ہے اور ادا نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ جبکہ ٹیکس معروضی حالات میں وقتی طور پر لاگو کیا جاتا ہے اور جب ضرورت پوری ہو جائے تو اس کو ہٹا دیا جاتا ہے۔ اگر ٹیکس بلاضرورت لیا جائے تو یہ ظلم کہلاتا ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کی فرضیت کا ایک نصاب ہوتا ہے جس سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ جب کہ ٹیکس ہر کس و ناکس پر کسی نہ کسی شکل میں لاگو ہو جاتا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ اور عشر کا نصاب شریعت میں بیان کر دیا گیا ہے اور اسے حکمرانوں کی صوابدید پر نہیں چھوڑا گیا۔ جب کہ ٹیکس کا تعین حکمران کر رہے ہوتے ہیں۔

۴۔ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف ہیں جو قرآن کریم میں بیان کر دئے گئے ہیں جس کی وجہ سے زکوٰۃ کے محفوظ استعمال کو یقینی بنانا آسان ہو جاتا ہے۔ جب کہ ٹیکس کے بے شمار مصارف ہیں، حکومت جہاں چاہے استعمال کر لے۔

۵۔ زکوٰۃ سال میں ایک مرتبہ صاحب نصاب کے لئے ادا کرنا فرض ہے۔ جب کہ ٹیکس روزانہ، ماہانہ، سالانہ اور بعض مرتبہ حسب موقع لازم ہوتے ہیں۔

۶۔ زکوٰۃ چار قسم کی بچتوں پر لازم ہوتی ہے یعنی سونا، چاندی، نقد رقم اور سامان تجارت۔ جب کہ ٹیکس میں بعض اموال کو چھوٹ دی جاتی ہے اور بعض کو نہیں۔ چنانچہ کئی مرتبہ لاکھوں کروڑوں روپے کمانے والا شخص اس مال پر چھوٹ حاصل کر رہا ہوتا ہے جب کہ چند ہزار آمدن والا شخص مختلف قسم کے ٹیکس ادا کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔

۷۔ زکوٰۃ کے بارے میں فرمان نبوی ہے:

"تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ"[3]

یعنی یہ مسلمانوں کے امراء سے وصول کی جائے گی اور ان کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔ جبکہ ٹیکس دونوں یعنی امیر اور غریب سے وصول کیا جاتا ہے اور مختلف قسم کے شعبہ جات اور مدات میں خرچ کیا جاتا ہے۔[4]

ٹیکس فری معاشرہ اللہ کی نعمت:

"عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ احْمَدُوا اللَّهَ الَّذِي رَفَعَ عَنْكُمْ الْعُشُورَ"[5]

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: اے گروہ عرب! اللہ کا شکر ادا کیا کرو کہ اس نے تم سے ٹیکس اٹھا دیئے"۔

احادیث مبارکہ میں ناجائز ٹیکس کی مذمت:

ناجائز ٹیکس لینے والے کے قتل کا حکم:

"عَنْ مَالِكِ بْنِ عَتَاهِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا لَقِيتُمْ عَاشِرًا فَاقْتُلُوهُ"[6]

حضرت مالک بن عتاھیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اگر تم ٹیکس وصول کرنے والے کو دیکھو تو اسے قتل کر دو"۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث میں عاشر سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کے مال سے ناحق صدقہ لینے والا ہو۔[7] اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبُ مَكْسٍ"[8] صاحب مکس یعنی عشر وصول کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

احادیث میں ایک خاتون کا واقعہ مذکور ہے کہ اس سے زنا کا ارتکاب ہو گیا جس کا اعتراف اس نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش ہو کر کر لیا۔ اس کو بچے کی پیدائش تک مہلت دی گئی، بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ دوبارہ حاضر ہوئی اور نبی کریم ﷺ نے اس کے رجم کا حکم صادر فرما دیا۔ رجم کرتے ہوئے اس کا خون خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اوپر گرا تو انہوں نے اس خاتون کو برا کہا جس پر آپ ﷺ نے خالد بن ولید سے فرمایا کہ (اسے برا نہ کہو) اس خاتون نے تو ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ ٹیکس وصول کرنے والا بھی کر لیتا تو اس کی توبہ بھی قبول ہو جاتی۔[9] اس حدیث سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ (ناجائز) ٹیکس وصول کرنا شریعت کی نگاہ میں کتنا بڑا گناہ ہے کہ اس خاتون کی توبہ کی قبولیت کے مقام پر ٹیکس وصولی کو بہت بڑے جرم کی حیثیت سے پیش کیا گیا کہ اتنے خلوص سے 'صاحب مکس' یعنی ٹیکس وصول کرنے والے کی توبہ بھی قبول ہو جاتی۔

احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عشور یعنی تجارتی ٹیکس صرف یہود و نصاریٰ سے لینے کا حکم ارشاد فرمایا اور مسلمانوں سے لینے سے منع کیا۔[10] اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان احادیث میں 'عشور' سے مراد زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور 'عشور' کی ممانعت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جب دس فی صد ٹیکس وصولی کی اجازت نہیں تھی تو جی ایس ٹی جیسے ٹیکسوں کی شرعاً کیسے اجازت دی جا سکتی ہے جو مثلاً سترہ، اٹھارہ فیصد بھی ہوتے ہیں اور ان کا بوجھ براہ راست عوام پر پڑتا ہے۔

ظالمانہ ٹیکس مقدمہ ابن خلدون کے تناظر میں:

علامہ ابن خلدون نے اپنے شہرہ آفاق 'مقدمہ' میں کم اور زیادہ ٹیکس اور محاصل کی وصولی کے اسباب اور اثرات پر سیر حاصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

شرح محصول کی قلت و کثرت کے اسباب:

حکومت کے ابتدائی زمانے میں محصول کی شرح کم اور وصولی زیادہ ہوتی ہے جبکہ آخری دور میں اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر حکومت دین کے مطابق چلائیں تو لوگوں سے شرعی ٹیکس وصول ہوں گے، جن کی شرح کم ہے، یعنی ڈھائی، پانچ، دس فیصد۔ اسی طرح جانوروں میں بھی اور ان میں کمی بیشی ناممکن ہے۔

اور اگر حکومت غیر شرعی آئین کے مطابق بھی چلے تب بھی ابتدائی دور میں سادگی لازمی ہے جو لوگوں سے شفقت کا تقاضہ کرتی ہے اور ٹیکس کم وصول کیا جاتا ہے۔ رعایا پر ٹیکس کم ہونے کی وجہ سے وہ اپنے کام ذوق و شوق اور دلچسپی سے کرتے ہیں۔ جب آمدن زیادہ اور سرکاری حقوق کم ہوں گے تو لوگ خوشی خوشی باہر سے بھی آکر ملک میں بستے ہیں اور سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ ورنہ ملک چھوڑ کر بھاگتے ہیں (جیسا کہ ہمارے ہاں ہو رہا ہے۔ راقم)۔

شرح محاصل کی زیادتی بربادی کا سبب ہے: دراصل جب حکومت جم جاتی ہے اور چلتی رہتی ہے اور مختلف بادشاہ آتے رہتے ہیں تو ان میں رعایا پر دباؤ ڈالنے کی عادت ہو جاتی ہے، بدویت اور سادگی کا اثر ختم ہو جاتا ہے اور حکمرانوں پر شہریت کا رنگ چڑھ جاتا ہے، ان میں سے رواداری اور لوگوں کے مال سے اجتناب ختم ہو جاتا ہے، عیش و عشرت میں مبتلا حکمرانوں کے اخراجات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور رعایا، کسانوں اور تمام لوگوں پر ٹیکس کی شرح بڑھاتے چلے جاتے ہیں، تجارتی مال کے آنے جانے پر چنگیاں لگا دیتے ہیں، شرح ٹیکس میں دن بدن اضافے سے عوام کی کمر ٹوٹ جاتی ہے، حوصلے پست ہو جاتے ہیں، وہ کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، آبادی کم ہونے لگتی ہے جس کا وبال حکومت پر ہی پڑتا ہے کیونکہ محصول کی آمدنی کم ہو جاتی ہے۔ آبادی کی کثرت کا فائدہ حکومت ہی کو تھا کیونکہ کم شرح سے محصول لوگ بخوشی ادا کیا کرتے تھے۔

آغاز حکومت میں بادشاہ، حکمرانوں اور فوج کے مصارف کم اور دور تمدن میں بوجہ عیش پرستی بڑھ جاتے ہیں: ابتداء میں حکومت اپنی دیہاتی سادگی میں ہوتی ہے چنانچہ اخراجات کم ہوتے ہیں لیکن بعد میں عیش پرستی کی وجہ سے فرماں روا طرح طرح کے ٹیکس لگانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور لوگ ہجرت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ مشرق میں عباسیوں اور عبیدیوں کی حکومتوں کے آخری ادوار میں یہی حالات رہے اور تمام رعایا پر ٹیکس لگا دیئے گئے، حتیٰ کہ حاجیوں پر حج کے زمانے میں ٹیکس لگائے گئے (جیسا کہ ہماری بعض حکومتیں خاص طور پر ایسا کرتی رہی ہیں۔ راقم) پھر صلاح الدین ایوبی نے آکر یہ رسمیں مٹائیں اور رفاہ عامہ کے کام کئے۔ طوائف الملوکی کے دور میں اندلس کا بھی یہی حال رہا پھر یوسف بن تاشفین اور امیر مرابطین نے ٹیکس کی رسم مٹائی۔ یہی حال افریقہ میں تیونس وسطی کا بھی رہا۔

(حقیقت یہ ہے کہ فوجی مصارف کے بڑھنے کی وجہ محض دفاع نہیں ہے بلکہ عیش پرستی بھی ہے جسکا مشاہدہ ہم کرتے ہیں۔راقم) سلطنت کی تجارت رعایا کے حق میں مضر اور ملکی آمدن گھٹانے کا باعث ہے: جب حکومت خود تجارت اور زراعت شروع کر دیتی ہے تو کسانوں اور تاجروں کے لئے میدان تنگ ہو جاتا ہے، تاجر تو تاجر کا مقابلہ کر سکتا ہے لیکن بادشاہ اور حکومت کا نہیں (یہی حال فوجی تجارتوں کا ہے۔راقم)۔ حکومت بہت سامال چھین لیتی یا سستی قیمت پر خرید لیتی ہے اور اپنی مرضی کی قیمت دیتی ہے۔ حکومت کے کاروبار کرنے سے تاجر اور کاشت کار کی دلچسپی اپنے کام سے کم ہو جاتی ہے اور سرکاری آمدنی گھٹ جاتی ہے جس کا نقصان بھی حکومت کو ہوتا ہے۔

اہل فارس کا اپنا بادشاہ چننے کا طریقہ کار: اہل فارس اپنا بادشاہ اس شخص کو چنتے تھے جو شاہی خاندان سے ہو، فاضل دین دار، بہادر، صاحب ادب، بزرگ، انصاف پسند، تجارت نہ کرنے والا ہو، گرانی کو پسند نہ کرے، غلاموں سے مشورہ نہ کرے (کیونکہ امکان ہے کہ وہ خیر خواہی یا مصلحت وقت کے مطابق مشورہ نہ دیں)۔ حقیقت یہ ہے کہ سلطنت کے مال میں اضافہ محاصل سے ہوتا ہے اور محاصل کا حصول عدل و انصاف سے ہوتا ہے تاکہ رعایا کے حوصلے بڑھیں اور مال بڑھانے کا شوق پیدا ہو۔

لالچی اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے حکمرانوں کو کاروبار پر ابھارتے ہیں: یہ کاروباری لوگ ہوتے ہیں تاکہ اپنا حصہ بھی حکمران کے ساتھ کاروبار کر کے وصول کریں اور جلد از جلد امیر ترین ہو جائیں، خاص طور پر ان تجارتوں سے جو سرکاری ٹیکسوں اور چونگی سے مستثنیٰ ہوں۔

ظلم ویرانی لاتا ہے: علامہ ابن خلدون کے مطابق ملک کی بقا شریعت کے احکامات پر ہے؛ شریعت کی بقا بادشاہ پر ہے؛ بادشاہ کی بقا لوگوں پر ہے؛ لوگوں کی بقا مال پر ہے؛ مال کی بقا آبادی پر ہے اور آبادی کی بقا انصاف پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ظلم سے آباد علاقے ویران ہو جاتے ہیں اور اس ویرانی کی ذمہ دار حکومت ہوتی ہے اور پھر حکومت بھی ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔

ایک شبہ کا جواب کہ ظلم کے باوجود حکومتیں جوں کی توں کیوں رہتی ہیں: دراصل ظلم سے ویرانی بتدریج آتی ہے اور اگر کوئی ملک یا شہر بڑا ہے تو اس میں مظالم اور زیادتی کی وجہ سے خرابی کم محسوس ہوگی۔ خرابی کی ابتدا ہو چکی ہوتی ہے لیکن اس کا اثر ایک مدت کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ ملک برباد ہونے سے پہلے ظالم حکومت ہی جڑ سے اکھڑ جاتی ہے پھر دوسری حکومت ملک کی پھٹی قبا میں پیوند لگاتی ہے اور پچھلی حکومت کے نقصانات کی تلافی کرتی ہے جس کی وجہ سے یہ سابقہ نقصان نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ شریعت میں مخالفتِ ظلم کی حکمت آبادی کو ویرانی اور نقصان سے بچانا ہے، یہی وجہ ہے کہ پانچ مقاصد شریعت (حفظ دین، جان، مال، نفس، عقل) میں اس حکمت کی رعایت رکھی گئی ہے۔ ظلم پر ہر شخص قادر نہیں (یعنی ظلم کی بعض اقسام، خاص طور پر وہ ظلم جو قوت و اقتدار کے ذریعے کیا جاتا ہے۔راقم) اس لئے اس کی حد مقرر نہیں، یعنی اس کا بدلہ آخرت میں ضرور دیا جائے گا۔ ورنہ تو قرآن و حدیث میں حرمتِ ظلم کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔[11]

اس تفصیل سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ عیش و عشرت، لالچ، اقرباء پروری، عوام کے ساتھ عدم رواداری اور دور اندیشی کا نہ ہونا ایسے بنیادی عوامل ہیں جو حکمرانوں کو عوام پر ظلم کرنے پر آمادہ کرتے ہیں جس کی ایک بڑی شکل ظالمانہ ٹیکسوں کی وصولی ہے، جو بالآخر حکومتوں اور مملکت کے اجڑنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

ظالمانہ ٹیکس کی تعریف اور حکم:

حکومتیں بعض ایسے ٹیکس لگاتی ہیں جو ظالمانہ ٹیکس کی تعریف میں آسکتے ہیں چنانچہ مختلف فتاویٰ کی روشنی میں درج ذیل ٹیکس بھی ظالمانہ ٹیکس کی قسم میں آتے ہیں:

رہائشی گھروں پر سالانہ ٹیکس؛ انکم ٹیکس؛ سیلز ٹیکس؛ ویٹ ٹیکس؛ سروس ٹیکس وغیرہ۔ کیونکہ ان ٹیکسوں میں ٹیکس ادا کرنے والے کو حکومت کی طرف سے کوئی ایسی منفعت حاصل نہیں ہوتی جسے ان ٹیکسوں کا عوض قرار دیا جاسکے۔[12] چنانچہ بعض فتاویٰ میں انکم ٹیکس کے مروجہ طریقہ کار کو بھی ظلم محض قرار دیا گیا ہے اور اس سے بچنے کی اجازت دی گئی ہے۔[13]

اسی طرح ضلع ٹیکس؛ پل ٹیکس؛ محصول چونگی وغیرہ کو بھی بعض فتاویٰ میں ظالمانہ ٹیکس قرار دیا گیا ہے۔[14]

اسی طرح فتاویٰ حقانیہ میں امام ابو بکر جصاص اور امام غزالی کے حوالے سے بعض مخصوص حالات میں ٹیکس کی وصولی کا جواز ذکر کرنے کے بعد یہ بھی کہا گیا ہے کہ شریعت مقدسہ نے ٹیکسوں کی شرح کو زکوٰۃ کی شرح سے زیادہ نہیں بڑھایا ہے۔[15] چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ کو ٹیکس وصولی کے لئے بھیجا تو ان کو یہ حکم فرمایا کہ مسلمانوں سے چالیسواں حصہ، ذمیوں سے بیسواں حصہ اور حربیوں سے دسواں حصہ وصول کر لیا کرو۔[16] یہ بھی واضح رہے کہ یہ ٹیکس وصولی اس وجہ سے نافذ کی گئی تھی کیونکہ حربی بھی مسلمانوں سے ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔[17]۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں سے ڈھائی فی صد سے زیادہ ٹیکس وصول کرنا درست نہیں ہے اور اسلامی تعلیمات سے میل نہیں کھاتا۔ اسی طرح گاڑیوں پر حکومت کی طرف سے پچاس فی صد تک ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جس کا کسی طرح بھی جواز پیش نہیں کیا جاسکتا۔

ٹیکس کی فقہی وشرعی حیثیت:

اگر ملک و قوم کی اجتماعی ضرورت ہو تو اس صورت میں اہل علم نے ٹیکس لگانے کی اجازت دی ہے۔ علماء کرام نے فقہ کے ایک ماخذ 'مصالح' کے تحت ٹیکس کی شرع حیثیت پر بحث کی ہے۔ پہلے ادوار میں حکومت کی ذمہ داریاں محدود تھیں جبکہ آج کل حکومتی ذمہ داریاں کافی بڑھ گئی ہیں۔ چنانچہ اگر بیت المال خالی ہو تو امام عادل کو حق حاصل ہو گا کہ وہ رعایا پر ٹیکس لگائے۔ اور یہ اختیار بھی امام کو ہو گا کہ وہ طے کرے کہ پھل، اجناس، اور کن اشیا پر ٹیکس لگانا ہے۔ البتہ یہ ٹیکس واقعی ضروریات کے لئے اور مناسب مقدار میں ہونا چاہئے۔ اس بارے میں بے اعتدالی اور لوٹ کھسوٹ کا رویہ بالکل غلط ہے جو آج کل دراصل سرمایہ دارانہ نظام کے لوازمات میں سے ہے۔[18]

ٹیکس کا جواز و عدم جواز اور اس سے بچنے کے لئے تدبیر اختیار کرنا:

ٹیکس کے جواز کی کیا شرائط ہیں؟ کس قسم کے ٹیکس ناجائز ہیں اور کس قسم کے ٹیکس سے بچنے کے لئے کوئی حیلہ یا تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے؟ اس حوالے سے مندرجہ ذیل فتویٰ ہمارے لئے مناسب رہنمائی فراہم کرتا ہے:

"شریعت کی طرف سے بیت المال کی آمدنی کے لیے درج ذیل ذرائع مقرر ہیں:

زکاۃ، عشر، خراج، جزیہ، مالِ غنیمت، مالِ فیئ اور گمشدہ اموال، ان کے علاوہ عام حالات میں حکومت کو عوام پر کوئی ٹیکس لگانے کی اجازت نہیں، زمانہ جاہلیت میں حکمران محض اپنی عیش و عشرت کی خاطر تاجروں سے ظالمانہ ٹیکس وصول کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ان کا خاتمہ فرمایا اور دورِ نبوی اور دورِ خلافتِ راشدہ میں مسلمانوں سے زکاۃ اور عشر کے علاوہ کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔[19]

قرآن میں اس سے ممانعت آئی ہے، اور احادیث اس پر وعیدیں وارد ہیں، چنانچہ سورہ اعراف میں اللہ تعالی فرماتے ہیں

"وَإِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ"[20]

ترجمہ: "اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، انہوں نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل آچکی ہے، لہذا ناپ تول پورا پورا کیا کرو اور جو چیزیں لوگوں کی ملکیت میں ہیں ان میں حق تلفی نہ کرو"۔

علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین رحمہم اللہ نے اس آیت میں موجود "لاتبخسوا" کی ایک تفسیر "لاتمکسوا" سے کی ہے یعنی لوگوں سے ناحق ٹیکس مت وصول کرو، چونکہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بااثر افراد عام لوگوں سے ہر چیز پر ناحق ٹیکس وصول کرکے ان کی حق تلفی کیا کرتے تھے، اس لیے انہیں اس سے منع کیا گیا۔

احادیث مبارکہ میں بھی ناحق ٹیکس وصول کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں،، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث مروی ہے جس میں آپ کا یہ ارشاد منقول ہے: "لایدخل الجنة صاحب مکس"[21] یعنی ٹیکس لینے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

........لہذا عام حالات میں حکومت کے لیے مسلمان عوام پر زکاۃ اور عشر کے علاوہ اضافی ٹیکس مقرر کرنے کی اجازت نہیں۔

البتہ اگر کسی اسلامی مملکت پر کوئی ایسا وقت آپڑے کہ قومی خزانے کی رقم عوامی ضروریات اور مصالح کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہو جائے جیسا کہ آج کل حکومتوں کو بہت سی ایسی خدمات فراہم کرنی پڑتی ہیں جو پہلے حکومتوں کی ذمہ داری نہیں ہوا کرتی تھی، مثلا: ملک میں بجلی اور گیس کی فراہمی، نیز بہت سے ایسے شعبے جو پہلے اگر ہوتے بھی تھے، لیکن ان کے اخرجات اتنے زیادہ نہیں ہوتے تھے جتنے آج کل بڑھ گئے ہیں، مثلا: دفاع کے لیے جدید ہتھیاروں کی تیاری، پختہ سڑکوں کی تعمیر، مواصلات کے جدید ذرائع، ابلاغ کے وسائل، تعلیم اور صحت، ان میں سے ہر شعبے کے اخراجات بے پناہ ہیں اور ان میں سے بیشتر میں زکاۃ اور عشر کی رقوم بھی استعمال نہیں ہو سکتیں، لہذا اگر قومی خزانے میں موجود رقم ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہو تو اس صورت میں فقہاء کرام نے درج ذیل شرائط کے ساتھ صرف بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ٹیکس عائد کرنے کی گنجائش دی ہے:

۱۔ حکومت کے مصارف کو اسراف و تبذیر سے پاک کیا جائے۔

۲۔ ٹیکس اتنا ہی لگایا جائے جو ضرورت پوری کرنے کے لیے کافی ہو، یہاں تک کہ قومی خزانے میں وسعت پیدا ہو جائے۔

۳۔ ٹیکس عائد کرنے میں انصاف سے کام لیا جائے، یہ نہ ہو کہ کسی پر بہت زیادہ ٹیکس عائد ہو اور اسی قسم کے دوسرے شخص پر اس سے کم لگایا جائے۔

۴۔ قومی خزانہ خالی ہو، یعنی اس میں موجود مال درپیش ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہو۔

۵۔ ٹیکس کی رقم ملک وملت کی حقیقی ضرورتوں اور مصالح پر خرچ کی جائے، بے جا ضائع نہ کی جائے۔

۶۔ لوگوں پر ان کی حیثیت کے مطابق ٹیکس لگایا جائے، یعنی ٹیکس کی شرح اتنی زیادہ نہ مقرر کی جائے جس کی ادائیگی لوگوں کے لیے بوجھ بن جائے۔

اگر حکومتی ٹیکسز میں درج بالا شرائط کی پاسداری کی جائے تو پورے ٹیکس کی ادائیگی لازم ہے اور اگر مذکورہ بالا شرائط کی پاسداری نہ کی جائے تو جتنا ٹیکس ناحق وصول کیا جارہا ہو اس سے بچنے کے لیے حیلہ اور کوئی مناسب تدبیر اختیار کرنے کی گنجائش ہے، باقی یہ بات کہ حکومت کتنی مقدار جائز وصول کر رہی ہے اور کتنی ناجائز؟ اس بارے میں ٹیکسیشن کے ماہرین ہی بتاسکتے ہیں، ہر فرد کے بارے میں یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس سے ناجائز ٹیکس لیا جارہا ہے، ہاں اگر کوئی شخص محسوس کرتا ہے اور اسے ٹیکسیشن نظام کے بارے میں یقین ہے کہ اتنی مقدار غیر ضروری اور ناجائز ہے اور وہ اس مقدار کو حیلہ کرکے بچالیتا ہے تو اگرچہ آخرت میں شاید اس کا گناہ نہ ہو اور یہ بچائی گئی رقم حلال بھی ہو، لیکن موجودہ قوانینِ حکومت کی رو سے یہ جرم ہوگا اور اس کی سزا میں جان، مال، عزت کو خطرہ ہے تو اس سے بچنا بھی ضروری ہے"۔[22]

زرعی ٹیکس کے حوالے سے تجاویز:

زرعی پیداوار کیونکہ اموال ظاہرہ میں سے ہے اس لئے حکومت اس کا عشر وصول کر سکتی ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ کسانوں سے ایگری کلچر ٹیکس کے بجائے عشر وصول کرے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت اکثر کسان عشر ادا نہیں کرتے جس کی وجہ سے وہ گناہ گار بھی ہوتے ہیں اور ان کے مال میں بے برکتی بھی ہوتی ہے کیونکہ عشر دراصل فصل کی زکوۃ ہے۔اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ"[23]

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے

لہٰذا عشر کی ادائیگی سے کسان کے مال میں برکت بھی ہوگی اور اس پر ظلم بھی نہیں ہوگا۔ اس وقت تو بعض کسان یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ کیونکہ حکومت ہم سے ٹیکس وصول کرتی ہے اس لئے ہم عشر نہیں نکالیں گے۔کسان کو بھی ناشکری سے بچنا چاہئے اور اللہ کا مقرر کردہ حصہ نکالنا چاہئے۔ البتہ حکومت کے لئے انتہائی ضروری بات یہ ہے کہ وہ عشر کی وصولی کے لئے مختلف مکاتب فکر سے معاشی علم رکھنے والے علماء کرام کو منتخب کرے جو عشر کی وصولی اور اس کے بعد بیت المال کی آمدن کی نگرانی اور تقسیم کو دیکھیں۔ اس کی وجہ موجودہ حکومتوں کی بد دیانتی ہے جس کی وجہ سے علماء یہ فتویٰ دینے پر بھی مجبور ہوئے کہ لوگ اپنے اموال کی زکوۃ خود نکالیں کیونکہ موجودہ حکومتوں پر اس کی شفاف تقسیم کے حوالے سے اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اس معاملے میں علماء کرام کا ہونا بہت ضروری ہے۔

سودی شکنجے سے چھٹکارا ضروری:

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ جو بھی حکومت آتی ہے وہ آئی ایم ایف کو ٹیکس بڑھانے کی یقین دہانیاں کرتی نظر آتی ہے، پھر عوام سے ٹیکس وصولی کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور اس کی بنیادی وجہ ہمارے ملک کا سود کے شکنجے میں جکڑا ہونا ہے جو کہ ایک عالمی پالیسی اور ورلڈ آرڈر کے تحت کیا گیا ہے۔ چنانچہ بنیادی ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سودی سسٹم سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کیا جائے تاکہ سود کی نحوست سے قوم کو بچایا جا سکے۔

علاوہ ازیں ہمارے ملک میں حکومت جو ٹیکس وصول کرتی ہے اس کے مطابق سہولیات فراہم نہیں کرتی۔ اگر حکومتی آمدن صحیح طور پر عوام پر لگنا شروع ہو جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ملک چند سال میں ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہو سکتا ہے۔

باقی یہ کہنا کہ سرکاری ملازمین کو حکومت تنخواہیں اور مراعات دیتی ہے اس لئے بھی ٹیکس لگاتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عام طور پر جو بھی محکمہ کام کرتا ہے وہ حکومت کو کما کر دے رہا ہوتا ہے۔ اور جب عوام اس جگہ پر جا کر اپنا کام کرواتے ہیں تو اس کام کی سرکاری فیس مقرر ہوتی ہے جو عوام نے ادا کرنی ہوتی ہے۔ اور اس فیس سے بخوبی یہ ادارے اپنے

اخراجات برداشت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بہت سی وزارتیں ایسی ہیں جو حکومت کو کما کر دیتی ہیں۔ لہٰذا ٹیکس لگانے کے اعتبار سے یہ عذر پیش کرنا درست نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اداروں سے کرپشن کو ختم کیا جائے۔

حال ہی میں آزاد کشمیر کے لوگوں نے بجلی اور گیس کے بلوں کے خلاف شدید احتجاج کیا جس کی وجہ سے حکومت نے وہاں بجلی کے ریٹ بہت کم کر دیئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آزاد کشمیر والا معاملہ ہر جگہ کیا جائے؟ کیا یہ حکومت کی طرف سے عوام کو اس بات کی ترغیب نہیں ہے کہ آپ جب تک باہر نکل کر احتجاج نہیں کریں گے تب تک ہم آپ کا مسئلہ حل نہیں کریں گے؟ کیا بجلی گیس کے ریٹ اور ٹیکس کم کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ حکومت ہر جگہ کے لوگوں کو اس بات پر ابھار رہی ہے کہ اگر اپنا حق وصول کرنا ہے تو احتجاج ہی واحد راستہ ہے؟ یہاں پر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مملکت کے باقی لوگوں کا کیا قصور ہے؟ کیا بجلی کے بلوں میں کم کیا جانے والا یہ اضافی بوجھ ملک کی باقی عوام کے اوپر نہیں ڈالا جائے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر منصفانہ طور پر ٹیکس وصول کئے جائیں اور ان کو صحیح طور پر خرچ کیا جائے تو احتجاج کی نوبت ہی نہ آئے اور لوگ امن وسکون کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکیں۔

خلاصہ

مذکورہ بالا بحث سے پتہ چلتا ہے کہ ٹیکس کا تعلق بنیادی طور پر اسلام کے معاشی نظام سے نہیں ہے۔ ٹیکس کے جواز اور عدم جواز کے حوالے سے دونوں طرح کی آراء موجود ہیں البتہ ناگزیر حالات میں شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے جواز کی آراء پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ ٹیکس کے نظام میں کاروباری حضرات کی خاص طور پر یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ جائز ٹیکس ادا کریں تاکہ عدم ادائیگی کا بوجھ متعین آمدن والے غریب اور متوسط طبقے پر نہ پڑے۔ حکومتوں کو ٹیکس کے حوالے سے منصفانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے، ہمارے ملک میں مروجہ ٹیکسوں کی شرح، فراہم کی جانے والی سہولیات کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے اور نہ ہی وہ شرح شریعت کی تعلیمات سے (جواز کے درجے میں ہی) میل کھاتی ہے۔ اس لئے حکومتوں کو مروجہ ٹیکس کی پالیسیوں پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ عیش و عشرت، لالچ، اقرباء پروری، عوام کے ساتھ عدم رواداری اور دور اندیشی کا نہ ہونا ایسے بنیادی عوامل ہیں جو حکمرانوں کو عوام پر ظلم کرنے پر آمادہ کرتے ہیں جس کی ایک بڑی شکل ظالمانہ ٹیکسوں کی وصولی ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

حوالہ جات(References)

[1] حج:41

[2] بقرۃ:43

[3] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج:۲، ص:۱۲۸، رقم الحدیث:۱۴۹۶، بَابُ أَخْذِ الصَّدَقَةِ مِنَ الأَغْنِيَاءِ وَتُرَدَّ فِي الفُقَرَاءِ ،دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ

[4] طیبی، محمد یوسف، مفتی، فرضیت زکوٰۃ اور ٹیکس، روزنامہ پاکستان، مارچ، ۲۳، ۲۰۱۸

[5] احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ، مسند احمد، رقم الحدیث:۱۶۵۳، ج:۳، ص:۱۹۱، مؤسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۱ء

[6] ایضا، رقم الحدیث:۱۸۰۵۷، ج:۲۹، ص:۵۹۷

[7] ایضا، رقم الحدیث:۱۸۰۵۸، ج:۲۹، ص:۵۹۸

[8] ایضا، رقم الحدیث:۱۷۲۹۵، ج:۲۸، ص:۵۲۶

[9] اَبن اَبی شیبۃ، اِبو بکر، مصنف اَبن اَبی شیبۃ، رقم الحدیث:۲۸۸۰۸، ج:۵، ص:۵۴۲، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹ھ

[10] طحاوی، اِبو جعفر، اِحمد بن محمد، شرح معانی الآثار، رقم الحدیث:۳۰۶۴، ج:۲، ص:۳۲، عالم الکتب، ۱۹۹۴ء

[11] اِبن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، دیون المبتداء والخبر فی تاریخ العرب والبربر و من عاصرھم ذوی الشأن الاکبر، ج:۱، ملخص ص ص:۳۴۴۔۳۵۸، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۸

[12] رحمانی، محمد جعفر، مفتی، المسائل المهمة فيما ابتلت به العامة، ج:۱۰، ص:۱۹۸، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، مہاراشٹر، ۲۰۱۷ء

[13] رشید احمد، مفتی، احسن الفتاویٰ، ج:۷، ص:۲۱، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۴۴۵ھ

[14] مہربان علی، مفتی، جامع الفتاویٰ، ج:۶، ص:۲۱۷، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۹ھ

[15] عبد الحق، مولانا، فتاوی حقانیہ، ج:۲، ص:۳۳۶، جامعہ دار العلوم، حقانیہ، اکوڑہ خٹک، ۲۰۱۰ء

[16] اِبو یوسف، یعقوب بن ابراھیم، الخراج، فصل فی العشور و حکم من یجبونھا، ص:۱۴۸، المکتبۃ الازھریۃ للتراث، س۔ن

[17] ایضا، ص:۱۴۹

[18] رحمانی، خالد سیف اللہ، مولانا، قاموس الفقہ، ج:۴، ص ص:۱۷۔۳۱۸، زمزم پبلشرز، کراچی، ۲۰۰۷ء

[19] طحاوی، اِبو جعفر، اِحمد بن محمد، شرح معانی الآثار، رقم الحدیث:۳۰۶۱، ج:۲، ص:۳۱، عالم الکتب، ۱۹۹۴ء

[20] الاعراف:۸۵

[21] احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ، مسند احمد، رقم الحدیث:۱۷۲۹۵، ج:۲۸، ص:۵۲۶

[22] ماخذ: دار الافتاء، جامعۃ الرشید، فتویٰ نمبر:۷۶۲۴۴، تاریخ اجراء:۰۶۔۰۳۔۲۰۱۸ء، کراچی

[23] البقرۃ:276